فتنہ مرزائیت
اور
پاکستان
حضرت مولانا سید پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ
ذخیرہ کتب
محمد احمد ترازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرزائیوں نے ۱۹۸۸ء میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کے پاس درخواست دائر کی۔ پاکستانی حکومت ہمارے حقوق پامال کر رہی ہے اور ہمیں اس مملکت سے جائز مراعات سے محروم رکھا جاتا ہے۔ یہ حرکت وہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت کے ملک کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے اس عالمی پلیٹ فارم پر مملکت خداداد پاکستان کی نمائندگی کے لئے حضور ضیاء الامتؒ (پیر سید کرم شاہؒ) کا انتخاب کیا۔ آپ نے اس اہم ترین موقع پر جس حسین انداز میں پاکستان اور اسلام کی نمائندگی کی وہ تاریخ کا جزو بن چکی ہے۔ آپ "فتنہ مرزائیت اور پاکستان" کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت اپلیٹ بنچ کا اجلاس ۳۰ رجولائی ۱۹۸۸ء سے لاہور میں منعقد ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں مرحوم و مغفور شہید صدر محمد ضیاء الحق کا ٹیلی فون موصول ہوا۔ جس میں انہوں نے مجھے فرمایا کہ یو۔این۔او کے ذیلی ادارہ ہیومن رائٹس (حقوق انسانی) کے سب کمیشن کا اجلاس ۸ راگست ۱۹۸۸ء سے جنیوا میں منعقد ہو رہا ہے۔ وہاں مرزائیوں نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔ پاکستان کے بارے میں انہوں نے یہ پراپیگنڈا زور وشور سے شروع کر رکھا ہے کہ پاکستان میں ان کو قتل کیا جا رہا ہے۔ ان کو ملازمتوں سے چن چن کر نکالا جا رہا ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا جا رہا ہے۔ ان کے افراد کو زدوکوب کیا جاتا ہے اور ہر قسم کے انسانی حقوق سے ان کو محروم کیا جا رہا ہے۔ صدر مرحوم نے مجھے حکم دیا کہ میں وہاں جا کر پاکستان کی نمائندگی کروں۔

مجھے اس قسم کے اجتماعات میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ پہلے تو میں سہما اور خیال کیا کہ صدر محترم سے معذرت کر لوں اور درخواست کروں کہ کسی اور موزوں آدمی کا اس اہم کام کے لئے انتخاب کیا جائے۔ لیکن پھر مجھے یہ حدیث شریف یاد آئی جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "جس منصب اور ذمہ داری کا کوئی شخص مطالبہ کرتا ہے اور وہ منصب اسے دیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی ذاتی قابلیت کے حوالے کر دیتا ہے کہ تم نے یہ منصب طلب کیا تھا۔ ہم نے تمہیں دے دیا۔ اب تو جان اور تیرا کام۔ لیکن اگر بن مانگے وہ

منصب اور ذمہ داری کسی کو سپرد کی جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود اس شخص کی امداد کرتا ہے اور راہنمائی فرماتا ہے۔"

میں نے سوچا کہ اس چیز کا مطالبہ میں نے تو نہیں کیا اور نہ اس قسم کی طلب میرے حاشیہ خیال میں کبھی نمودار ہوئی۔ اب اگر یہ فرض میرے ذمہ لگایا گیا ہے تو حسب ارشاد مصطفوی ﷺ، اللہ تعالیٰ میری مدد اور راہنمائی فرمائے گا اور جب اس کی امداد میرے شامل حال ہوگی تو پھر مشکلیں خود بخود آسان ہوتی جائیں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے صدر محترم کی اس خواہش کی تکمیل کا عزم کر لیا۔

لاہور سے میں ۸ راگست کو بھیرہ واپس آیا۔ ۹، ۱۰ راگست دو روز وہیں ٹھہرا اور ضروری انتظامات کئے اور اپنی طویل غیر حاضری میں جو منصوبے زیر تکمیل تھے ان کے بارے میں اپنے احباب کے ساتھ مشورہ بھی کیا اور انہیں مناسب ہدایات بھی دیں۔ ۱۱ راگست کو بھیرہ سے روانہ ہوا۔ ساڑھے تین بجے فارن منسٹری کے دفتر میں متعلقہ حکام سے ملاقات کی، رات کو ڈیڑھ بجے پی آئی اے کی فلائٹ سے جینوا کے لئے روانہ ہو گیا۔ فرینکفرٹ میں دو اڑھائی گھنٹے انتظار کرنا پڑا پھر لفتھنزا ایئر لائن کے طیارے سے تین بجے دوپہر جینوا پہنچا۔ عزت مآب سعید دہلوی ایئر پورٹ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور انٹر کانٹی نینٹل کے کمرہ نمبر ۱۰۲۰ میں مجھے ٹھہرایا۔ میں نے ان سے گذارش کی کہ مجھے یہاں کے حالات سے بالتفصیل آگاہ کریں اور جو پروگرام ہو اس سے بھی مطلع کریں۔

چنانچہ انہوں نے مجھے وہ پمفلٹ دیئے۔ جس میں مرزائیوں نے حکومت پاکستان پر اور پاکستان کے عوام پر ہر قسم کے بے سروپا الزامات عائد کئے ہوئے تھے۔ یہ پمفلٹ باتصویر تھے اور ایک خالی الذہن انسان کو طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کے لئے مؤثر ثابت ہو سکتے تھے۔

سفیر صاحب نے بتایا کہ "ہیومن رائٹس" (حقوق انسانی) کے سب کمیشن کا اس دفعہ پاکستان ممبر نہیں ہے۔ اس لئے ہم نہ اس میں تقریر کر سکتے ہیں نہ کسی مقرر کے اعتراض کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ ووٹنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ البتہ بحیثیت مبصر اس اجلاس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم نے یہ طے کیا کہ ہر روز ان ممبران میں سے دو تین ممبران کو لنچ (صبح کے کھانا) پر مدعو کیا جائے ایک بجے سے تین بجے تک میٹنگ کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس وقفہ

میں ان سے تبادلہ خیال کیا جائے اور حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے۔ اس کے بغیر ہمارے لئے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

محترم سفیر صاحب نے فرمایا تھا کہ وہ ہر روز کے لئے تین ممبران کو مدعو کریں گے۔ ہفتہ اور اتوار چھٹی ہوتی ہے۔ میں نے یہ دو دن مطالعہ میں اور اس موضوع کی تیاری میں صرف کئے۔ سوموار کو میں سفیر کے ساتھ سب کمیشن کے اجلاس میں بحیثیت مبصر شریک ہوا۔ اس اجلاس کے چیئرمین مسٹر جھنڈارا تھے۔ جو بھارت کے نمائندہ تھے۔ نصف گول دائرہ کی شکل میں سٹیج کے سامنے کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ پہلی قطار میں کمیشن کے ممبر صاحبان تشریف فرما تھے۔ دوسری قطار میں ان کے معاونین کے بیٹھنے کے لئے نشستیں تھیں۔ تیسری قطار میں مبصر بیٹھے تھے۔ جن میں میں بھی تھا اور پچھلی دو لائنوں میں غیر حکومتی انجمنوں کے نمائندگان تھے۔ کافی دیر تک میں ممبران کی تقاریر کو سنتا رہا۔ ایک بجے وقفہ ہوا تو میں واپس چلا آیا۔

ہم نے لنچ پر مختلف ممبران سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کا جو پروگرام تشکیل دیا اس کی پہلی نشست ۱۶ راگست ۱۹۸۸ء بروز منگل ہوئی۔ ان میں مصر اور اردن کے معزز ارکان مدعو تھے اور رات کو خصوصی طور پر چین کے ممبر کو ہم نے ڈنر پر بلایا تھا۔ چنانچہ یہ سلسلہ ۲۵ راگست ۱۹۸۸ء تک جاری رہا۔ اس روز بھی خلاف معمول رات کو ہم نے مسٹر جھنڈارا اور مسز جھنڈارا کو ڈنر پر مدعو کیا۔ ان نشستوں میں ماحول بڑا دوستانہ اور تکلف و تصنع سے بالکل مبرّا تھا۔ میں نے ان کو دو تین باتیں سمجھانے کی کوشش کی۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ دنیوی نقطۂ نظر سے قوموں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی چند وجوہات ہیں۔ ان میں وطن، زبان، نسل، چہرے کی رنگت وغیرہ کو اہمیت حاصل ہے۔ لیکن مذہبی نقطۂ نظر سے امتوں کی علیحدگی کا ایک ہی سبب ہے جب کسی امت کا خصوصی تعلق ایک نبی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو ایک علیحدہ امت معرض وجود میں آجاتی ہے۔ میں نے انہیں کہا مثال کے طور پر آپ مسلمانوں کو لیجئے۔ ہم مسلمان، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاحب کتاب، صاحب شریعت نبی اور رسول مانتے ہیں۔ اسی طرح ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی صاحب کتاب، صاحب معجزات نبی اور رسول تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نہ ہم یہودی ہیں نہ ہم عیسائی۔ چونکہ ہمارا خصوصی تعلق سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے۔ اس لئے ہم مسلمان ہیں اور ایک علیحدہ امت ہیں اور جو عیسائی ممبر ہمارے ساتھ ہوتا میں اس سے عرض کرتا کہ آپ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے

ہیں ان کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ یہودی نہیں۔ بلکہ آپ عیسائی ہیں۔ کیونکہ آپ کا خصوصی تعلق حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی نبی ہے۔ اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس کا وہ دعویٰ سچا تھا یا جھوٹا...... بہر حال اس نے نبی بننے کا دعویٰ کیا اور بعض لوگوں نے اس کو نبی تسلیم کیا۔ جن لوگوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی تسلیم کیا۔ ان کو مرزا قادیانی کے ساتھ وہی خصوصی تعلق ہو گیا جو مسلمانوں کا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔ عیسائیوں کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے یا یہودیوں کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ اس خصوصی تعلق کی بناء پر وہ ایک الگ امت بن گئے۔ جن کو مرزائی یا قادیانی یا احمدی کہا جاتا ہے۔ لیکن امت اسلامیہ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ وہ کہیں کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کو نبی مانتے ہیں جیسے ہم موسیٰ علیہ السلام کو نبی مان کر بھی ان کے امتی نہیں۔ اسی طرح یہ بھی حضور ﷺ کو نبی ماننے کے باوجود حضور ﷺ کی امت نہیں۔ کیونکہ ان کا خصوصی تعلق مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے۔

میں نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے نام بطور مثال ذکر کیے ہیں۔ چونکہ یہ جلیل القدر رسول ہیں اور ہر شخص ان کے ناموں سے آشنا ہے۔ ورنہ جس شخص کا جس نبی کے ساتھ خصوصی تعلق ہوگا وہ اسی کا امتی ہوگا۔

دوسری بات! جو میں نے ان صاحبوں کو ذہن نشین کرائی وہ یہ تھی کہ تکفیر کا آغاز آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے ہوا۔ انہوں نے ہی حکم دیا کہ جو میری نبوت پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔ نیز اپنے متبعین کو حکم دیا کہ ان میں سے کوئی بھی کسی مسلمان کے ساتھ مل کر نماز ادا نہ کرے۔ کسی مسلمان کی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ خواہ کتنا متقی اور پرہیزگار ہو۔ خواہ وہ چھ ماہ کا معصوم بچہ ہو۔ نیز انہیں منع کیا کہ وہ اپنی بچیوں کے رشتے مسلمانوں کو نہ دیں۔ پھر یہ حکم صادر کیا کہ ان کے متبعین میں سے اگر کوئی شخص ان کاموں میں سے کوئی ایک کام کرے گا تو اس کا نام میری امت کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور یہ واقعہ تو آفاق عالم میں مشہور و معروف ہے کہ جب بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے انتقال فرمایا تو لاکھوں مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی لیکن سر ظفر اللہ خان، جو اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔ انہوں نے موجود ہوتے ہوئے قائداعظم کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی۔ جب اخباری نمائندوں نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بڑی ڈھٹائی سے یہ کہا: ”اگر قائداعظم مسلمان تھے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں ایک

مسلمان حکومت کا کافر وزیر خارجہ ہوں اور اگر وہ مسلمان نہ تھے تو میں ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ ہوں۔"

پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی تفصیلات سے آپ آگاہ ہوں گے۔ لیکن اتنی بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ قرارداد مذہبی علماء کی کسی کانفرنس اور کسی اجتماع میں منظور نہیں کی گئی۔ بلکہ اسے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے اتفاق رائے سے منظور کیا تھا اور وہ بھی ہفتوں بلکہ مہینوں کی سوچ بچار اور غور وفکر کے بعد وہ طویل مباحثہ اور علمی مذاکرہ یکطرفہ نہیں تھا۔ بلکہ قادیانی جماعت کے اس وقت کے امیر جناب مرزا ناصر احمد نے بھی اپنی جماعت کے علماء اور فضلاء کے ساتھ اس میں شرکت کی تھی اور ایک ایک نکتہ پر گرما گرم بحث ہوئی تھی اور آخر میں مرزا ناصر صاحب نے جب یہ اعلان کیا کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہوں اور جو شخص ان کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتا اس کو کافر سمجھتا ہوں تب پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کے تمام ارکان نے متفقہ طور پر اس قرارداد کو پاس کیا اور آپ جانتے ہیں کہ جو قرارداد قانون ساز اسمبلی میں پاس ہو اور اس کو صرف اکثریت نے ہی منظور نہ کیا ہو بلکہ اتفاق رائے سے منظور کی گئی ہو۔ اس کی آئینی اور قانونی حیثیت کا کون انکار کرسکتا ہے؟ اور اس قرارداد کو اتفاق رائے سے پاس کرنے میں بھی مرزا ناصر کے اس اعلان کا بڑا دخل ہے جو انہوں نے آئین ساز اسمبلی کے ہال میں سب کے سامنے کیا کہ جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اس وقت مسلمانوں کی تعداد دنیا میں ایک ارب کے لگ بھگ ہے اور قادیانی ایک لاکھ پچیس ہزار ہیں۔ اگر ان کے امیر کے کہنے کے مطابق صرف یہی مسلمان ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو بیک قلم دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ یہ قادیانیوں کا ہی دل گردہ ہے۔ کوئی منصف مزاج شخص ایسا کہنے کی بلکہ ایسا سوچنے کی بھی جسارت نہیں کرسکتا۔

تیسری بات! جو میں نے ان صاحبان کے گوش گزار کی تھی وہ یہ تھی کہ یہ لوگ شور مچا رہے ہیں کہ پاکستان میں ہمارے انسانی حقوق پامال کئے جا رہے ہیں۔ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے۔ ہماری عبادت گاہوں کو پیوند خاک کیا جا رہا ہے۔ ہمیں ملازمتوں سے نکالا جا رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ!

اس کے بارے میں عرض ہے کہ پاکستان کے عوام، اسلام کی برکت سے اتنے فراخ دل اور عالی ظرف واقع ہوئے ہیں کہ اس ملک میں بہت سی غیر مسلم اقلیتیں آباد ہیں۔ ہندو،

عیسائی، پارسی وغیرہ لیکن جب سے پاکستان بنا ہے اس وقت سے لے کر آج تک وہاں کبھی فرقہ وارانہ فساد رونما نہیں ہوا۔ کبھی کسی غیر مسلم کی جان، مال، آبرو پر دست تعدی دراز نہیں کیا گیا تو ان لوگوں پر ظلم و تعدی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کون سا ایسا انسانی حق ہے جو کسی اور پاکستانی کو میسر ہے۔ لیکن یہ اس سے محروم ہیں۔

مثال کے طور پر آپ سب سے پہلے تعلیمی میدان کو لیجئے۔ پرائمری سکول، ہائی سکول، کالج، پروفیشنل کالج، ٹیکنیکل کالج، پوسٹ گریجویٹ اور یونیورسٹی کی سطح تک حصول تعلیم کے جتنے مرحلے ہیں۔ ان میں داخلہ کے لئے ان قادیانیوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔ ان کے بچے میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج اور دوسرے کالجز میں سینکڑوں کی تعداد میں اب بھی زیر تعلیم ہیں اور جنہوں نے اس سال فائنل کے امتحان پاس کئے ہیں وہ حسب قواعد ملازمتوں پر متعین کر دیئے گئے ہیں۔ مقابلہ کے امتحانات میں بھی شریک ہونے پر بھی ان پر کوئی پابندی نہیں۔ ان میں سے جو کامیاب ہوتے ہیں ان کو اعلیٰ مناصب پر فائز کیا جاتا ہے۔

جہاں تک سرکاری محکموں میں ملازمت کا تعلق ہے۔ سب سے اہم محکمے محکمہ دفاع کے ہیں۔ ان میں وہ ہوائی، بحری، بری تمام افواج میں اعلیٰ ترین عہدوں پر متمکن ہیں۔ انٹیلی جینس محکمہ جو از حد اہم اور حساس محکمہ ہے۔ اس میں بھی بنیادی پوسٹوں پر یہ لوگ فائز ہیں۔ وزارت خارجہ میں اہم ممالک میں اس جماعت کے لوگ سفارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ملیں، فیکٹریاں، کارخانے ان کے تصرف میں ہیں۔ سینکڑوں مربع زرعی زمین کے یہ مالک ہیں۔ مشہور مقامات پر کاروباری مرکزوں کے یہ مالک ہیں۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی اس کے علاوہ کون سا وہ حق ہے جو کسی اور پاکستانی کو تو حاصل ہے اور انہیں میسر نہیں۔ البتہ ایک حق ہے جو اور کسی پاکستانی کو حاصل نہیں۔ لیکن یہ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ یعنی اپنے ملک کی بدگوئی کرنا، اپنے ملک کو بدنام کرنا، اس درخت کی جڑیں کاٹنا۔ جس کے ٹھنڈے سائے میں یہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس کے میٹھے اور لذیذ پھلوں سے یہ اپنی کام و دہن کی ضیافت کا اہتمام کرتے ہیں۔ بیرون پاکستان آپ کہیں چلے جائیں ان ناشکر گزاروں کو آپ پاکستان کا گلہ کرتے اور برائی کرتے ہوئے پائیں گے۔ اس کے باوجود پاکستان کا دامن پھر بھی ان کے لئے کشادہ ہے۔ پھر بھی وہ اپنے انعامات و کرامات سے ان کو محروم نہیں کرتا۔ پاکستان کا اور کوئی شہری یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ غیر اقوام کے سامنے اپنے ملک کی غیبت کرے اور یہ لوگ اپنے ملک پر اسرار جھوٹے الزام لگاتے ہیں اور اس کو

بدنام کر کے خوش ہوتے ہیں۔

اثنائے گفتگو میں ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ لوگ کلمہ شریف کا بیج لگاتے ہیں، آپ یہ بیج نوچ لیتے ہیں اور اس پر اپنی برہمی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بات آپ کی انسانی حقوق کی پامالی کے زمرہ میں آتی ہے۔

میں نے انہیں عرض کی کہ بیشک ہمیں ان کے اس بیج پر اعتراض ہے اور ہمیں ان کے سینوں پر یہ بیج آویزاں دیکھ کر ناگواری ہوتی ہے۔ لیکن اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کے مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ سورۃ الفتح کی یہ آیت: "محمد رسول الله والذین معه اشدّاء علی الکفار رحماء بینهم" اس میں پہلا جملہ "محمد رسول الله" یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہ ذات پاک نہیں جس کا نام "محمد" ان کے جد امجد نے رکھا جو چودہ سو سال سے اسی نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے دوست بھی، ان کے دشمن بھی، ان کے ماننے والے اور انکار کرنے بھی اسی نام سے ان کو جانتے ہیں۔

مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ اس سے مراد فقط وہ نہیں بلکہ میں بھی ہوں۔ اس سے بڑی جسارت بھی کوئی ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم جو ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آسمانی صحیفہ ہے۔ اس میں اپنی من مانی تاویل بلکہ من مانی تحریف سے کیا ہمارے دل نہیں دکھتے۔ اگر اقلیت کے انسانی حقوق ہیں تو کیا اکثریت کا کوئی انسانی حق نہیں۔ اگر اقلیت کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا بری بات ہے تو کیا اکثریت کے جذبات کو مجروح کرنا کار ثواب ہے؟

یہ آیت لکھ کر وہ آیت کا غلط معنی لیتے ہیں۔ اس لئے ہماری غیرت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا نام پاک ذکر کر کے اس سے کوئی ایسا شخص مراد لیا جائے جسے ہم مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

اس گفتگو میں سفیر صاحب جناب سعید دہلوی میری معاونت فرماتے رہے اور جب بھی مجھے ان کی اعانت کی ضرورت محسوس ہوئی بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ اپنا مدعا مہمانوں کے ذہن نشین کراتے رہے۔ اس کاوش کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ گزشتہ سال ممبران نے کھل کر ان لوگوں کی تائید کی تھی اور پاکستان پر تابڑ توڑ حملے کئے تھے۔ اس سال اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل و کرم فرمایا کہ کسی ایک ممبر نے بھی ہمارے خلاف ایک لفظ تک نہیں بولا۔

اسی اثناء میں ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو ایک عظیم سانحہ وقوع پذیر ہوا۔ جس نے قلوب واذہان کو ہلا کر رکھ دیا۔ ۶ بجے میں اپنے کام سے فارغ ہو کر بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ جناب سفیر صاحب بول رہے تھے۔ مجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور شاید ان کے کرب والم کی ایسی ہی کیفیت تھی۔ انہیں بھی معلوم نہ تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر بمشکل تمام وہ اتنا کہہ سکے کہ صدر صاحب کا طیارہ حادثہ کا شکار ہو گیا۔ یہ سن کر سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ وہ کیا کیفیت تھی۔ بار ہا دل نے مجبور کیا کہ واپس پاکستان چلا جاؤں۔ لیکن پھر اس خیال نے راستہ روک لیا کہ میں جس فرض کی ادائیگی کے لئے یہاں بھیجا گیا ہوں اس فرض کی ادائیگی سے پہلے اپنا مورچہ چھوڑنا یہ مردانگی نہیں۔ یہ وفاداری نہیں۔ دل جتنا چاہے تلملائے اسے یہیں رہنا ہو گا۔ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے اپنی ساری صلاحیتوں کو مصروف کار رکھنا ہو گا۔

ہفتہ کے روز میں اپنے ہوٹل کے کمرہ میں تنہا تھا۔ اخبار میں پڑھا تھا کہ دو بجے پاکستان کے وقت کے مطابق شہید اسلام صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ جب گھڑی پر گیارہ بجے تو میں نے سوچا اب پاکستان میں دو بج رہے ہوں گے۔ شاید ٹیلی ویژن والے جنازہ کی کچھ جھلکیاں دکھائیں۔ میں نے ٹیلی ویژن آن کیا۔ سامنے وہ منظر نظر آیا جسے دیکھ کر دل تھام کر رہ گیا۔ پاکستانی فوج کے جیالے اپنے مرحوم صدر کے صندوق کو اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک گھنٹہ تک سوئٹزرلینڈ کے ٹیلی ویژن نے براہ راست تمام مناظر براڈکاسٹ کئے۔ وہ لمحہ بھی آیا کہ وہ دبلا پتلا جنرل ضیاء الحق جس کی آواز کی گرج سے عالمی قوتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اپنی آخری آرام گاہ میں رکھ دیا گیا۔ جس کے اوپر سینکڑوں من مٹی ڈال دی گئی۔ وہ آنسو، جو قوم نے اس کے فراق میں بہائے وہ آنکھیں جو گھنٹوں اس کی جدائی پر اشکبار رہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے اور اس کے ساتھی شہداء کے لئے اس کی رحمت کی بھیک مانگتی رہیں۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جو کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔ لاکھوں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن تھا۔ فیصل مسجد کے ارد گرد حد نگاہ تک جتنے میدان، جتنی پہاڑیاں، جتنی سڑکیں، جتنی کوٹھیاں تھیں سب لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ حتیٰ کہ مسجد کی چھت پر بھی لوگوں کا ہجوم تھا۔ انتہائی غم واندوہ کے لمحات میں پاکستانی قوم کا نظم وضبط دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں مبتلا کر رہا تھا۔ سب انتہائی خضوع وخشوع کے ساتھ سراپا عجز ونیاز بن کر اپنے رحمٰن اور رحیم، غفار اور ستار خدا کی بارگاہ میں اپنے شہید

صدر کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔

نماز عصر کے بعد جنیوا کی مسجد میں جنرل صاحب کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کریم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ نماز عصر سے پہلے میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ بہت سے پاکستانی ایمبیسی اور پاکستانی مشن کے افسر اور ملازمین اور عام پاکستانیوں کی کثیر تعداد وہاں جمع ہو گئی۔ قرآن کریم کے کئی ختم ہوئے، کلمہ شریف اور درود شریف پڑھا گیا۔ سب نے اس کا ثواب جنرل صاحب اور آپ کے شہید ساتھیوں کی ارواح طیبہ کو پہنچایا۔

سبھی رنجیدہ اور غمزدہ تھے۔ لیکن جو پٹھان وہاں آئے تھے ان کی حالت بڑی تکلیف دہ تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ کہہ رہے تھے آج ہم یتیم ہو گئے۔ ہمارا باپ رخصت ہو گیا۔ اسلام اور پاکستان کی جس دل میں جتنی محبت تھی اسی قدر وہ المناک حادثہ پر غمناک تھا۔ ہفتہ اور اتوار کو مشن کی ہفتہ وار چھٹی تھی۔ سوموار کو پھر اجلاس شروع ہوا۔ سب سے پہلے صدر صاحب اور ان کے ساتھیوں کی حسرتناک وفات پر دلی غم واندوہ کا اظہار کیا گیا اور احتراماً ایک منٹ کھڑے ہو کر اظہار تعزیت کیا گیا۔

۲۶ راگست کو جمعہ تھا۔ میں نے سفیر صاحب سے پوچھا کہ اگر میرا یہاں کوئی کام ہو تو میں ٹھہرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن اگر میرا کام ختم ہو گیا ہو تو مجھے واپسی کی اجازت دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کا کام اختتام پذیر ہو گیا ہے۔ اب سب کمیشن کے ممبران خفیہ اجلاس کریں گے۔ جن میں وہ امور جو کمیشن میں زیر بحث آتے ہیں۔ ان پر خفیہ رائے شماری کریں گے۔ اس میں ہم کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتے۔ اس لئے آپ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ چنانچہ بروز جمعہ ساڑھے ۶ ربجے کی فلائٹ پر میں فرینکفرٹ (جرمن) پہنچا۔

فرینکفرٹ (جرمنی) کا ایک مشہور شہر ہے اور جرمنی کا ہوائی اڈہ ہے۔ وہاں دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے فارغ التحصیل صاحبزادہ عابد حسین صاحب عرصہ دو سال سے خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان کا اصرار تھا کہ میں ان کے پاس آؤں۔ چنانچہ میں نے واپسی پر ان کے پاس جانے کا پروگرام بنایا اور انہیں اپنی آمد سے مطلع کیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایئرپورٹ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں سے ہی پاک دارالاسلام مسجد تک پہنچے۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز ادا کی اس کے بعد احباب کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔

باتوں باتوں میں صاحبزادہ عابد صاحب نے بتایا کہ یہاں کے مرزائیوں کو آپ کی

آمد کی اطلاع مل گئی ہے۔ وہ ملاقات کے لئے وقت مانگ رہے ہیں۔ میں نے دوسرے روز نماز عصر کے بعد انہیں ملاقات کے لئے وقت دیا۔ رات کو آرام کیا۔ نماز صبح کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر سیر کرنے کا پروگرام بنایا۔ وہاں سے ساٹھ ستر کلومیٹر دور دریائے رائن کے کنارے ایک بڑا خوبصورت قصبہ ہے۔ جس کا نام اس وقت یاد نہیں۔ وہاں پہاڑ کی چوٹی پر ایک یادگار بنی ہوئی ہے۔ جس پر لوہے کے رسوں کے ساتھ چھوٹے ڈبے آویزاں ہیں۔ جس میں چار آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔ وہ بجلی سے رسے چلتے ہیں جانے والے مسافران پر بیٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور خالی ڈبوں میں پہلے گئے ہوئے مسافر سیر وتفریح کے بعد لوٹ کر واپس نکلتے ہیں۔ یہ فاصلہ ڈیڑھ دو کلومیٹر کے برابر ہے۔ اس کے نیچے دامن کوہ ہے۔ جس پر بڑی خوبصورتی سے انگور کی بیلیں لگی ہوئی ہیں۔ انگور کی بیلوں کو تقریباً دو دوفٹ کے فاصلوں پر لائنوں میں لگایا گیا ہے اور ان لائنوں میں تار کھینچ دی گئی ہے۔ تاکہ وہ بیلیں سیدھی رہیں اور لائنوں میں گڑبڑ نہ ہو۔ انگور کی بیلیں از حد سر سبز وشاداب ہیں۔ سامنے دریا کا پاٹ ہے۔ اس کی دوسری طرف بھی انگوروں کے کھیت نظر آتے ہیں جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جنہیں بڑے سلیقے اور ہنرمندی سے کاشت کیا گیا ہے اور ان کی نشوونما کے لئے بڑی توجہ اور محنت سے کام لیا جاتا ہے۔ سارا منظر انتہائی دلکش اور سہانا ہے۔ جب ہم اس پہاڑی پر پہنچے تو ہم ان ڈبوں سے باہر نکلے۔ سامنے پتھر کا ایک بڑا کشادہ چبوترہ بنا ہوا ہے۔ اس کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری کا مجسمہ ہے اور اس کے نیچے پتھر پر کندہ قیصر ولیم کی تصویر ہے جو اپنے گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے اردگرد اس کے فوجی مصاحب برابر میں کھڑے ہیں۔ کچھ دیر ہم وہاں ٹھہرے۔ پھر واپس اسی جگہ آئے۔ جہاں خالی ڈبے ہماری راہ دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ ان میں سوار ہو کر ہم واپس پہنچے۔ ہم اپنی کار نیچے چھوڑ گئے تھے۔ وہاں تک پیدل آنا پڑا۔ وہاں پہنچ کر کار میں سوار ہوئے اور فرینکفرٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جرمنی میں جہاں جہاں جانے کا اتفاق ہوا سڑکیں بڑی ہموار، کشادہ اور آرام دہ ہیں۔ جانے کے لئے الگ اور آنے کے لئے علیحدہ شاہراہ بنی ہوئی ہے۔ بیک وقت تین تین گاڑیاں آجا سکتی ہیں۔ زمین بڑی زرخیز معلوم ہوتی ہے۔ انہیں آبپاشی کے لئے مصنوعی ذرائع اختیار کرنے کی بہت کم ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بارش اتنی کثرت سے ہوتی ہے کہ ہر موسم کے کھیتوں کے لئے کافی ہوتی ہے۔ درختوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہر شہر کے باہر کافی وسیع قطعہ زمین

درختوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ سڑکوں کے دونوں طرف بڑے بڑے درخت ہیں جو اپنے گھنے اور ٹھنڈے سائے سے مسافروں کو آرام اور سکون پہنچاتے ہیں۔

ہم مناظر قدرت کو دیکھتے ہوئے ان کے خوبصورت چھوٹے چھوٹے گاؤں سے گزرتے ہوئے دو بجے کے قریب اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ نماز ظہر ادا کی۔ کھانا کھایا اور ستانے کے لئے لیٹ گئے۔ عصر کی نماز ساڑھے چھ بجے ادا کی اور قادیانیوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ پونے سات بجے کے قریب پہلے دو آدمی آئے۔ کچھ دیر کے بعد دو آدمی پھر آئے۔ پھر کچھ وقفے کے بعد دو تین آدمی پھر آئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد نو دس کے لگ بھگ ہو گئی۔ انہیں اپنے پاس بلایا اور انہیں گفتگو کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک صاحب کے ہاتھ میں چند پمفلٹ تھے۔ وہ انہوں نے میری طرف بڑھائے اور کہا یہ ہمارے امام نے مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ کیا آپ اس کو قبول کرتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے آپ کا یہ چیلنج عرصہ ہوا قبول کر لیا ہے اور اس کا اعلان اخبارات کے فرنٹ پیج پر کر دیا گیا ہے۔ ہم نے اس کے لئے بارہ ربیع الاوّل کی رات متعین کی ہے اور آپ کے مرزا طاہر کو کہا ہے کہ وہ اس رات مینار پاکستان کے میدان میں تشریف لے آویں۔ وہ کہنے لگے کہ نہیں وہاں آنے کی ضرورت نہیں وہ اپنے گھر میں دعا کریں گے۔ آپ اپنے گھر میں دعا کریں میں نے کہا آپ نے چیلنج دیتے ہوئے مباہلہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ قرآنی اصطلاح ہے اور اس پر اسی طرح عمل کیا جائے گا۔ جس طرح آیت کریم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے اور اس کا طریق کار بتایا ہے۔

جب یمن کے علاقہ نجران کے عیسائیوں کے پادری مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور عقیدہ تثلیث پر رحمت دو عالم ﷺ سے گفتگو کی اور حضور ﷺ نے تثلیث کے بطلان اور عقیدۂ توحید کے اثبات کے لئے دلائل پیش کئے تو انہوں نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کا حکم اپنے حبیب ﷺ کو دیا اور اس آیت میں اس کی وضاحت فرمائی۔

"فقل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم ونساء نا ونساء کم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله علی الکاذبین (آل عمران:۶۱)" ﴿آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی۔ اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے اللہ کے حضور التجاء کریں۔ پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر۔﴾

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریق اپنے اہل خانہ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ میدان میں جمع ہوں گے۔ پھر مل کر بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگیں گے کہ جو جھوٹا ہے اس پر اس کی لعنت ہو۔

مباہلہ کا قرآن کریم نے یہی طریقہ بیان کیا ہے۔ اگر آپ کے مرزا طاہر میں یہ ہمت نہ تھی تو انہوں نے مباہلہ کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ کہنے لگے پاکستان میں ان کی جان کو خطرہ ہے۔ ہم نے انہیں بتایا کہ جو حق کے علمبردار ہوتے ہیں وہ جان کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر قیمت پر اور ہر حالت میں اپنی دعوت کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے آتش کدے سے ڈر کر دعوت توحید سے پہلوتہی کری تھی۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون جیسے جابر اور متکبر کے سامنے کلمہ حق بلند نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ اس بات پر ہی مصر رہے کہ آپ اپنی جگہ بیٹھ کر بددعا کریں اور وہ اپنی جگہ بیٹھ کر بددعا کریں گے۔ ان کو بار بار سمجھایا گیا کہ مباہلہ کا لفظ آپ کے مرزا طاہر قادیانی نے استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ استعمال کرنے سے پہلے انہیں چاہیئے تھا کہ اس لفظ کا مفہوم سمجھتے اور اس مفہوم پر پورا اترنے کی انہیں ہمت نہ تھی یا خاموشی اختیار کرتے اور یا کوئی اور لفظ استعمال کرتے۔ لیکن بجز سکوت کے ان صاحبان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ کچھ وقت کے بعد وہ تشریف لے گئے۔

اتوار کے روز ظہر کی نماز کے بعد عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس میں اس فقیر نے تقریباً سوا دو گھنٹے مرزائیت کے رد میں تقریر کی۔ جس سے مجھے یقین ہے کہ بفضلہ تعالیٰ حاضرین کو بہت فائدہ ہوا ہوگا اور ان میں وہ روایتی بے خبری ختم ہو گئی ہوگی۔ جس کے باعث قادیانی شاطر انہیں بآسانی اپنا صید زبوں بنالیا کرتے تھے۔

۲۹ اگست ۱۹۸۸ء کو ساڑھے گیارہ بجے کی فلائٹ پر میں فرینکفرٹ سے جدہ کے لئے روانہ ہوا۔ جہاز ساڑھے آٹھ بجے کے قریب جدہ کے ہوائی اڈا پر اترا۔ وہاں محترم حکیم نذیر احمد صاحب، محترم گل احمد خان صاحب کار لے کر تشریف لائے ہوئے تھے اور بھائی عزیزم حاجی محمد صدیق صاحب بھی آئے تھے۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ رات گل احمد خان صاحب کے پاس بسر کی۔ نماز صبح کے بعد پرتکلف ناشتہ کا اہتمام فرمایا۔ وہاں سے میں اور عزیز محمد صدیق صاحب مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک عمرہ صدر شہید کی روح کو ایصال ثواب کے لئے کیا۔ منگل اور بدھ کے دو دن مکہ مکرمہ بسر ہوئے۔ بروز بدھ سوا چھ بجے بذریعہ بس

مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوا۔ رات کے بارہ بج کر چند منٹ ہوئے تھے کہ اس مقدس اور پاکیزہ بستی میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس کی گلی کی خاک کے ذرے اپنی چمک دمک میں مہر وماہ کو شرما دیتے ہیں۔

جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کی رات دیار حبیب ﷺ میں بسر ہوئی۔ ان مقامات پر حاضری کی لذتیں اور کیف وسرور نا قابل بیان ہے۔ اس کو وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو اس سے لطف اندوز ہونے کی سعادت ارزانی کی جاتی ہے۔ بھائی غلام رسول صاحب اپنی کار میں مجھے واپسی پر مکہ مکرمہ لے آئے۔ واپسی پر بھی عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ پھر آخری بار غلاف کعبہ کو بوسہ دے کر الوداع کیا اور جدہ کے لئے روانہ ہوا۔ ساڑھے آٹھ بجے پی.آئی.اے کی فلائٹ پر کراچی اور وہاں سے چھ بجے صبح اسلام آباد پہنچا۔

اپنے مکان پر پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ برن میں سفیر صاحب کو ٹیلیفون کیا تا کہ معلوم ہو کہ اس رائے شماری کا کیا نتیجہ نکلا۔ اتفاقاً فوراً رابطہ ہو گیا۔ انہیں جب پتہ چلا کہ ٹیلیفون پر میں ہوں تو بے ساختہ ان کی زبان سے مبارکباد، مبارکباد کے کلمے نکلے۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان کو اس معرکہ میں شاندار کامیابی ہوئی ہے۔ یہ مژدۂ جانفزاء سن کر میں نے اپنے رب کریم کا شکر ادا کیا۔ جس نے اس ناچیز اور نااہل کو یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

"الحمد لله رب العالمین ۰ والصلوٰة والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آله واصحابه اجمعین"

اس خوشی کے باوجود دل میں ایک قلق تھا کہ کاش یہ خوشخبری میں اپنی زبان سے اس گرامی قدر ہستی کو سنا سکتا۔ جس نے اس عظیم خدمت کے لئے اس بندہ ناچیز کا انتخاب کیا تھا۔ میرے پاکستان واپس آنے سے پہلے ہی شہادت کا تاج پہن کر وہ اپنے رب کریم کی بارگاہ رحمت میں پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ میں ان کے مزار پر گیا جو عمرہ میں نے ان کے لئے کیا تھا اس کا ثواب ان کی پاک روح کو نذر کیا اور انہیں یہ بھی عرض کی کہ جس کام کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو اس میں سرخروئی عطاء فرمائی ہے۔ یقیناً ان کی روح نے یہ سنا ہو گا۔ یقیناً انہیں بے پایاں مسرت ہوئی ہو گی۔

"رحمة الله علیه وعلیٰ اخوانه وعلیٰ جمیع المسلمین الیٰ یوم الدین"